پر تنقید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ بعد کے سارے مسلم فلاسفر اور صوفیا نے ''وحدۃ الوجود'' ہی کو توحید کی اصل تشریح سمجھا ہے، لیکن یہ نظریہ ابن عربی سے کہیں زیادہ قدیم ہے۔ انھوں نے بڑی تفصیل سے قدیم ہندومت، بدھ مت، جین مت، سکھ مت، نیز یہودیت اور عیسائیت میں ''توحید'' (بمعنی شرک) کے شواہد پیش کیے ہیں۔ ان کے خیال میں مسلم فلاسفہ میں یہ ''توحید'' وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی اصطلاحوں کے ذریعے داخل ہوئی۔ اور سبھی صوفیا اس کمند کے اسیر ہوگئے۔ ان میں دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث کے مسالک کی کوئی قید نہیں۔ مجدد الف ثانی نے اگرچہ ابن عربی کی اس ''توحید'' (وحدت الوجود) پر سخت تنقید کی مگر ''وحدۃ الوجود'' اور وحدۃ الشہود کے درمیان صرف لفظی فرق ہے (۱۱:۲)۔ وہ سرسید، محمد اقبال اور دوسرے روایتی عصری علما کو بھی اسی فکری مرض میں مبتلا پاتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ''خطباتِ مدارس میں اقبال نے واشگاف انداز میں سریان [اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کائنات میں جاری و ساری ہے] کی حمایت کی ہے..... اقبال اور ابن عربی کی الٰہیات میں کسی قسم کا فرق نہیں''۔ (۲۱۷:۲)

یوں محسوس ہوتا ہے کہ فاضل مصنف اپنے نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے جوش میں یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ ہر صاحبِ فکر اپنی سوچ میں مختلف ادوار سے گزرتا ہے۔ شیخ مجدد خود اعتراف کرتے ہیں کہ اُن کا مسلک ابتدا میں ''وجودی'' تھا مگر وہ جلد ہی اس تنگ کوچے سے نکل آئے۔ ایک مخصوص مرحلے پر مسالک کو یہ ''محسوس'' ہوتا ہے گویا سارا وجود ایک ہی ہے، اور خالق و مخلوق میں کوئی دُوئی نہیں، مگر یہ حقیقت نہیں ہے، محض ایک ''شہود'' ہے۔ دراصل خالق، خالق ہے اور مخلوق، مخلوق۔ دونوں میں اس کے علاوہ کوئی اور رشتہ نہیں۔ اقبال کی فکر کے بھی کئی درجات اور مرحلے ہیں۔ کبھی وہ ہندستان کو ''سارے جہاں سے اچھا'' اور خود کو اس گلستان کی بلبلوں میں شمار کرتے تھے اور پھر وہ ''مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا'' کے مدعی ہوئے۔ اگر ان کی ابتدائی نظموں میں ''وحدت الوجود'' کی جھلک نظر آتی ہے، تو دیانت کا تقاضا ہے کہ اُن کی بعد کی فکر کے نمونے بھی دیکھے جاتے۔ سرسید احمد اور محمد اقبال کی فکر کو بایزید بسطامی کی سطحیات اور فلاطینوس کے ساتھ جوڑنا مناسب نہیں۔

اسلامائزیشن کے تیسرے شمارے کا عنوان ہے: ''فلسفۂ توحید اور ذرائع علم کی عجمی